

اسباب عروج و زوال اُمت

(۶)

امون رشید کو موزین اسلام خلافت بنی عباس کا ہیرو کہتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس شرف کا جامہ اگر خلفاء بنی عباس میں سے کسی کے قامتِ موزوں پر راست آتا ہے تو وہ دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور ہے، اگرچہ سفاح کی طرح اس کے مزاج میں بھی تشدد اور سخت گیری کا غلبہ تھا چنانچہ اُس نے علویہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اُس معاملہ سے کم نہیں تھا جو شاح نے بنو امیہ کے ساتھ کیا تھا۔ تاہم اس کی ذہنیت بڑی حد تک اسلامی تھی اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ایک خلیفہ اسلام کا فرض محض علوم و فنون کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اُس سے کمیں زیادہ بڑھ کر اُس کا اہم اور ضروری فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کی نگرانی کرے، برعقیدتی سے اُن کو بچائے اُن کے لیے کسب و اکل حلال کے وسائل و ذرائع مہیا کرے، سوسائٹی کو برے رسوم و عادات سے محفوظ رکھے اور سیاسی طاقت و قوت کو اتنا مضبوط بنادے کہ دشمنوں کو اس پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔

اخلاق اسلامی کی نگرانی | اس احساس فرض کے باعث منصور نے ایک طرف تو طرابلس الشام وغیرہ میں رومیوں نے جو شورشیں پیدا کر رکھی تھیں اُن کو دبایا۔ اندرونی ملک خراسانیوں کے بل بوتے پر جو لوگ اپنے اہواؤں فاسدہ کو بروئے کار لانا چاہتے تھے اُن کی سرکوبی کی اور دوسری جانب اُس نے اس بات کی سخت نگرانی رکھی کہ مسلمان اہل دعب اور مخرب اخلاق مشاغل سے مجتنب رہیں، خلیفہ ہونے کے باوجود خود اس کا یہ حال تھا کہ مورخ خطیری (ج ۹ صفحہ ۲۹) کے

بیان کے مطابق محل شاہی میں ایک دن کے سوا لہو و لعب یا کوئی لغو بات کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایک مرتبہ اسے محل میں کچھ ٹھہرنا پڑا، دیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک جگہ گانا ہو رہا ہے، فوراً جو ترپاؤں میں ڈال روانہ ہو گیا۔ موقع پر پہنچ کر دیکھا کہ ایک غلام طنبورہ بجا رہا ہے اور چند باندیاں جو اس کے ارد گرد جمع ہیں ہنس ہنس کر داد دے رہی ہیں۔ منصور کو دیکھتے ہی یہ جمع منتشر ہو گیا۔ اب اس نے حکم دیا کہ طنبورہ غلام کے سر سے دے مارا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور طنبورہ ٹوٹ گیا۔ اس واقعہ کے بعد منصور نے غلام کو اپنے پاس رکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور اسے محل سے نکال کر فرخت کر دیا۔ اس کے علاوہ منصور کو شراب نوشی سے بھی نفرت تھی۔ خود تو پیتا ہی نہیں تھا، دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی اپنے دسترخوان پر اس کی اجازت نہیں دیتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ بختیشوع طیب مہمان شاہی ہوا اور اس کے سلسلے میں منصور کے حکم سے کھانا رکھا گیا تو اس میں شراب نہیں تھی بختیشوع چونکہ عیسائی تھا اور مذہباً اس کے لیے شراب جائز تھی۔ اس لیے اس نے دسترخوان پر شراب کا مطالبہ کیا، جواب ملا ان الشراب لا یشرب علی ما ملکنا امیر المؤمنین، امیر المؤمنین کے دسترخوان پر شراب نہیں پی جاسکتی بختیشوع بولا ”تو پھر میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گا۔“ منصور کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے بختیشوع کی کوئی پروا نہیں کی اور کہنے لگا۔ ”اچھا وہ کھانا شراب کے بغیر نہیں کھا سکتا تو نہ کھائے“ یہ واقعہ صبح کے کھانے کے وقت پیش آیا تھا شام کو جب کھانا آیا تو بختیشوع نے پھر دسترخوان پر شراب کی خواہش ظاہر کی۔ اس مرتبہ پھر اس کو وہی جواب ملا۔ مگر اب اس نے کھانا کھا یا اور اس کے بعد دجلہ کا پانی پیا تو بولا ”میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی چیز شراب کی قائم مقام بھی ہو سکتی ہے، لیکن واقعی دجلہ کا پانی پی کر شراب پینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی (طبری ج ۹ ص ۳۰۹)

منصور عام خلفاء بنی عباس کے برخلاف فصیح و بلیغ اور اسراف و تبذیر سے بھی سخت

پر ہنر کرتا تھا کسی شاعر کے کسی شعر سے اگر خوش ہوتا بھی تھا تو اُسے بہت معمولی سی رقم دے کر خاموش ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ بصرہ کے قاری ہیتم نے منصور کے سامنے آیت ”ولا تبذرا تبدیلاً“ پڑھی تو اُس نے دُعا مانگی ”اے اللہ تو مجھ کو اور میری اولاد کو ان چیزوں میں فضول خرچی کرنے سے بچا جو تو نے اپنے لطفِ خاص سے ہم کو مرحمت فرما رکھی ہیں“ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی ہر چیز میں کھانے پینے میں، پہننے اور بھنے میں اور لینے دینے میں میانہ روی کو ملحوظ رکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ خزانہ قوم کی امانت ہے اور کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس امانت کو اپنے ذاتی حظِ نفس میں صرف کرے۔

منصور کے سلیم الطبع ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعلِ عمل پر کسی کی زبان سے نکتہ چینی سُن کر حیں بحیں نہیں ہوتا تھا، بلکہ اگر بات حق ہوتی تھی تو اُسے فوراً قبول کر لیتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ افریقیہ کا ایک قاضی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا جو طالبِ علمی میں منصور کا ساتھی رہ چکا تھا۔ منصور نے اُس سے پوچھا ”تم کو میری حکومت اور بنو امیہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گذرتے ہوئے آئے جو ان میں نظم و نسق کا کیا حال ہے؟“ قاضی نے جواب دیا ”اے امیر المؤمنین! میں نے اعمالِ بد اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس ظلم و جور کا سبب آپ کا ان علاقوں سے دور ہونا ہے، لیکن میں جتنا قریب آتا گیا معاملہ اُسی قدر نازک ہوتا گیا“ خلیفہ منصور نے یہ سُن کر اپنی گردن جھکالی، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا ”مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟“ قاضی نے جواب دیا ”کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے لوگ بادشاہِ دُفت کے تابع ہوتے ہیں۔ بادشاہ اگر نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر وہ بد ہے تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی“

منصور کی عاقبتِ اندیشی، دو بطنی، سیاسی مہارت و بصیرت اور نیک نیتی کا اندازہ

اُس وصیت نامہ سے ہو سکتا ہے جو اُس نے وفات سے چند روز پہلے اپنے میٹے ہمدی کو دیا تھا۔ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۹ ص ۳۱۹ میں اور ابن اثیر بحری نے کامل ج ۴ (۱۰ صفحہ ۲۶) میں اس وصیت نامہ کو تمام وکمال نقل کیا ہے۔ الفاظ میں اختلاف ہے مگر دونوں کا حاصل ایک ہے۔ ذیل میں اُس کا خلاصہ نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

”اے بیٹے! کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو میں نے تمہارے لیے ہموار درمیانہ کر دی ہو میں تم کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگرچہ میرا گمان ہے کہ تم ان میں سے ایک پر بھی عمل نہیں کرو گے۔ یہ کہہ کر منصور نے ایک صندوق منگوائی جس میں متعدد جبرٹ تھے۔ یہ صندوق مغل رہتی تھی اور سولے کسی ایک معزز شخص کے کوئی اور اس کو نہیں کھول سکتا تھا۔ منصور نے صندوق کھول اور اس میں سے جبرٹ نکال ہمدی کے حوالے کیے اور کہا کہ تم ان کو بڑی حفاظت سے رکھنا۔ ان میں تمہارے آبا کا علم محفوظ ہے۔ اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجائے تو پہلے بڑے جبرٹ میں اس کا جواب تلاش کرنا۔ اگر اُس میں نہ ملے تو پھر دوسرا اور تیسرا جبرٹ دیکھنا۔ اسی طرح ساتوں جبرٹ دیکھ جانا۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی تمہارے سوال کا جواب نہ ملے تو پھر چھٹا جبرٹ دیکھنا۔ مجھ کو یقین ہے کہ اُس میں تم کو اپنے معاملہ کے متعلق ضرور کوئی ہدایت ملے گی۔

اس کے بعد منصور نے بعض امور کی نسبت ہمدی کو خاص خاص ہدایتیں کیں اور اُس سے مطالبہ کیا کہ وہ ان پختی کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ اس سلسلہ میں اُس نے کہا۔

(۱) شہر بغداد کا خاص خیال رکھنا۔

(۲) میں نے بیت المال میں اس قدر روپیہ جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک بھی تم کو خراج کی قسم پوری وصول نہ ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تم اس روپیہ کو لشکریوں کی تنخواہوں مستحقین کے وظائف و عطیات اور سرحدوں کے انتظامات پر خرچ کرنا۔

(۳) اہل خاندان اور اعزاء و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور ملاطفت کا معاملہ کرنا کہ

انہی سے قہماری عزت و آبرو ہے۔

(۴) ہر کام میں تقویٰ و طہارت اور عدل و انصاف کا خیال رکھنا کیونکہ جس بادشاہ میں

یہ اوصاف نہیں ہیں درحقیقت وہ بادشاہ ہی نہیں

(۵) کسی معاملہ میں عورتوں کو مشیر کار نہ بنانا۔ اور جب تک کسی معاملہ میں خوب غور و

خصوص نہ کر لو اُس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرنا۔

منصور کو یقین تھا کہ اُس نے جو رعیت لکھی ہے وہ اُس کی موت کے بعد شرمندہ

عمل نہیں ہوگی۔ اسی لیے اُس نے ہر جملہ کے بعد ”وما اظنل تفعّل“ میرا گمان ہے کہ تم اس کو

نہیں کرو گے۔ کہتا ہے۔

منصور کے بعد ۵۸۰ھ میں ہمدی خلیفہ ہوا۔ اُس نے اپنے عہد خلافت میں متعدد چچو

اور تعمیری کام کیے لیکن سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے زنادقہ کے اُس نعتہ

کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جو متعدد اسباب و وجوہ سے مسلمانوں میں پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس

مقصد کے لیے اُس نے ایک مستقل محکمہ قائم کر رکھا تھا جس کا امیر عمر الکلوازی نام ایک شخص تھا

اس نکتہ کے لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ڈھونڈھ کر زندیقیوں اور ملحدوں کو پکڑ کر لاتے تھے اور پھر

ان کو قرار واقعی سزا ملتی تھی۔ بشار بن برد اس زمانہ کا ایک مشہور زندیق شاعر تھا۔ ایک مرتبہ

ہمدی بصرہ میں آیا اُس کے ساتھ حمدویہ تھا جو زندیقیوں کی جستجو اور اُن کا کھوج لگانے کی خدمت

پر مامور تھا۔ یہاں کہیں بشار حمدویہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ہمدی کے سامنے اُس کا معاملہ پیش ہوا

تو اُس نے حمدویہ کو حکم دیا کہ اُسے سخت ترین سزا دی جائے۔

لیکن ہمدی کا یہ اقدام وقتی اور نہنگامی طور پر تو مفید ہوا۔ زیادہ دیر یا نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے یعنی یہ کہ زندگی و الحاد جن اسباب سے پیدا ہو رہا تھا ان کے استیصال کی طرف توجہ نہیں کی گئی حرم شاہی میں عثمان و جواری کا عمل دخل بٹھو رہا تھا۔ دربار میں بے عقیدہ عجمیوں کے اثرات ترقی کر رہے تھے اور عام مجالس و محافل میں ابو نواس اور بشار بن برد ایسے مطلق العنان رزمی و سیرستی کے جذبات پیدا کر رہے تھے۔ مدارس و مکاتب میں درس قرآن و حدیث کے بالمقابل فلسفہ و عقلیات نے اپنی ایک مستقل درس گاہ قائم کر لی تھی۔ سامان عیش و عشرت کی فراوانی نے عہد شباب کی لذت اندوزیوں کے اربانوں کو دلوں میں بیدار کر دیا تھا۔ محسب خوں پیر مغاں کے دستِ کرم پر عبت کر چکا ہو تو میخانہ کے دروازہ پر قفل کون لگائے؟

اذ لکان ربّ المبت بالعلل ضارباً فلا تلعن الاولاد فیہ علی الرقص

جب صاحب خانہ ہی مل جل بجا رہا ہو تو گھر میں اولاد کو نہ پچھنے پر لامتناہی نہ کرو۔

علامہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کی جلد اول کے شروع میں بعض محدثین اور علماء ربانین کے وہ اقوال و اشعار نقل کیے ہیں جو انہوں نے بغداد سے متعلق کہے تھے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا و لعب اور عیش و طرب کی اس فضا رنگین میں خدا کے ایسے پاک بندے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو تقویٰ و طہارت اور ثقاہت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اس صورتِ حال پر سخت مضطرب اور پریشان تھے۔ لیکن ان بزرگوں کی حالت اس شعر کا مصداق تھی۔

دلہم بپاکی دامان غنچہ می لرزد کہ بلبلاں ہمہ مستند و باغباں تنہا

اس میں شک نہیں ہے کہ مسلمانوں نے فاتح ہونے کی حیثیت سے دوسری قوموں کی ماہیت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس کا نمود و چیزوں کی شکل میں بین طور پر ہوا ایک مذہب اور دوسری زبان، لیکن وہ خود بھی عجمی اقوام کے تہذیبی اور ثقافتی اثرات سے نہ بچ سکے۔ ایرانیوں اور رومیوں نے اسلامی معاشرت کو متاثر کیا جس کے باعث مسلمانوں میں فضا و فخرچی، عیش پسندی

آرام طلبی اور ہولناکی کی طرف میلان پیدا ہوا۔ غنا جس کو مورث نفاق کہا گیا تھا وہ شب و روز کا مشغلہ بن گیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں بجا تکلفات اور تصنع کا ظہور ہونے لگا۔ دوسری جانب یونان اور ہندوستان نے اسلامی فکر کو اثر پذیر کیا جس کے باعث مذہبی عقائد تک میں غیر اسلامی خیالات احساسات کا اثر نمایاں ہونا شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اسلامی انفرادیت کی عمارت کس طرح قائم رہ سکتی تھی؟ جب فکر و عمل دونوں ہی مسموم ہو گئے ہوں تو پھر زوال و انحطاط جس شکل میں بھی آئے اُسے آنا چاہیے تھا۔

اس موقع پر یہ بات بھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ سطور بالا میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے وہ ان عوامل و اسباب کا تذکرہ و بیان تھا جو مسلمانوں کے لیے تدریجی انحطاط و تنزل کا باعث بنی ان عوامل کا مختصر نمبر وار اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) شخصی حکومتوں کا استبداد اور اسلامی دستور حکومت کا نظر انداز ہو جانا۔

(۲) حد سے زیادہ رواداری اور مسامحت برت کر ایسے لوگوں کو حکومت کے معاملات میں ذیل بنا دینا جو جاحلی مفاد کے مقابلہ میں اپنے اہوا و اغراض کو مقدم رکھنے کے خوگر تھے۔

(۳) غیر مسلم قوموں کے مذہبی و ثقافتی اثرات کو قبول کر لینا خواہ یہ تو میں ایشائی ہوں یا مغربی

(۴) عیش و تنعم میں مبتلا ہو جانا، عورتوں کو سلطنت کے معاملات میں لائق اعتماد و اعتبار سمجھنا فوجی اسپرٹ کا کم کیا بلکہ کا عدم ہو جانا۔

بنیادی طور پر یہی چار امور ہیں جو عہدِ نبیؐ سے لے کر ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے فنا ہو جانے تک کار فرما رہے ہیں۔ مختلف ممالک میں مختلف خاندان حکومت کر کر کے فنا ہوتے رہے

لے ادب و تاریخ کی تمام کتابوں میں عموماً اور ابوالعزج اسفہانی کی کتاب الاغانی، تفسیر کی صبح الاعشی اور ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب حدیث الاربعاء میں خصوصاً اس زمانہ کی عام مسرفانہ اور عشرت کو شانہ معاشرت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس درجہ عالم انگیز ہے کہ اس کا ایک حصہ نقل کرنا بھی قلم کے لیے دشوار ہے۔

اور ان کی جگہ جن غائبانوں نے لی وہ بھی مسلمان ہی تھے۔ لیکن ہندوستان اور اندلس کا معاملہ ان سے الگ ہے۔ ان دونوں ملکوں سے اسلامی حکومت اس طرح مٹی کہ اب تک اس کے دوبارہ قائم ہونے کی امید نہیں ہے

حال اور ماضی کا موازنہ اگشتہ اوراق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے انحطاط و تنزل کی داستان خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد سے ہی شروع ہو جاتی ہے لیکن یہ سمجھنا ایک شدید غلطی ہوگی کہ ہمارے آج اور کل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا کل آج سے کہیں زیادہ بہتر تھا اور ہمارا عہد ماضی خواہ متعدد اسباب و وجوہ کے ماتحت وہ کیسا ہی تنزل پذیر ہو، پھر حال ہمارے حال سے بدرجہا امید آفریں اور حوصلہ افزا تھا۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جنہیں ذیل میں مختصراً بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ ہم کو اپنی موجودہ پستی کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔

گذشتہ ایام زوال میں سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اندرونی اور بیرونی طور پر خواہ حالت کیسی ہی خراب خستہ ہو بہر حال مسلمانوں کی اپنی حکومت و سلطنت تھی۔ اس بنا پر اول تو جو فاسق و فاجر بادشاہ ہوتے تھے وہ بھی حرات و شعائر اللہ کی توہین کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، اور چنانچہ علماء و حق کا گروہ ہر دور میں موجود رہا ہے اس لیے وہ موقع و محل کے مناسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے اور اس طرح کسی نہ کسی حد تک صورت حالات کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ خلیفہ ذاتی طور پر خواہ کیسا ہی مستبد ہو لیکن علماء و حق کے سامنے اسے بھی جھکنا پڑتا تھا۔ یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ بعض خاص خاص مواقع پر علماء کے اس اثر نے حکومتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔

علماء و حق کی ساعی اصلاح | اس نوع کے واقعات تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں کثرت ملتے ہیں ان میں سے چند واقعات کا ذکر بہ طور نمونہ مثلاً از خروارے نامناسب اور بے محل نہ ہوگا۔ مشہور اموی

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو ولیعہد بنا دے، لیکن اُس زمانہ کے مشہور تابعی امام حضرت رجا بن حیوہ کے مشورہ کے مطابق اُس نے اپنی اس رائے سے رجوع کر کے حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اپنی زندگی میں ہی اُن کے لیے بیعت لے لی جس سے پھر ایک مرتبہ خلافت راشدہ کا منظر لوگوں کو نظر آ گیا۔

امام یزید بن ابی حبیب ایک مشہور تابعی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے مصر کا گورنر ابن ہبیل مزاج پرسی کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوا، دوران گفتگو میں اُس نے ایک مسئلہ چھپا کر کسی کپڑے کو چھڑکا خون لگ جائے تو اُس سے ناز جائز ہے یا نہیں؟ امام ہام کیوین کو اس غصہ آیا کہ منہ پھیر لیا۔ مگر زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد جب والی مصر چلنے لگا تو امام نے ارشاد فرمایا ”تم روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتے ہو اُس کا کوئی ذکر نہیں کرتے مگر آج چھڑکے خون سے متعلق مسئلہ مجھ سے دریافت کرتے ہو۔“

حجاج کے نام اور اس کی سفاکی و بے رحمی سے کون واقف نہیں۔ ایک مرتبہ اُس کے سامنے سیدنا امام حسینؑ کا ذکر آیا تو بولا ”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات میں داخل نہیں تھے۔ اس مجلس میں اتفاق سے مشہور تابعی عالم یحییٰ بن عمر بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا ”توجھوٹ بولتا ہے“ حجاج نے کہا ”اس کو یا تو قرآن سے ثابت کرو ورنہ میں گردن اڑا دوں گا“ اب حضرت یحییٰ بن عمر نے آیت ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِكَ اَدُوْا وَسَلِيْمَانَ الْاَيْهٖ“ پڑھی اور فرمایا کہ جب اس آیت کے بموجب حضرت عیسیٰؑ ماں کے رشتہ سے حضرت آدمؑ کی ذریت میں داخل ہیں تو امام حسینؑ ماں کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں کیوں داخل نہیں“ حجاج بلا کا منسلک مزاج تھا۔ مگر اس وقت یحییٰ بن عمر کی حق گوئی کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ بولا ”سچ کہتے ہو، میں اس آیت کو پڑھتا تھا مگر کبھی ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ بخدا یہ احتیاط تو بہت ہی عجیب و غریب ہے“

انہی کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ حجاج نے ان سے دریافت کیا ”میں محسن یعنی اعراب میں غلطی تو نہیں کرتا؟“ یحییٰ بن عمر نے اس کا نہایت بلنج جواب دیا فرمایا ”نرفع ما یخف، وتخف ما یرفع“ حجاج کے سوال کے مطابق اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ تم کسرہ کی جگہ رفع اور رفع کی جگہ کسرہ پڑھ دیتے ہو۔ مگر اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ تو بڑا بے انصاف اور ظالم ہے جو پستی کے مستحق کو بلندی دیتا ہے اور سر بلندی کے مستحق کو ذلیل و خوار کرتا ہے؟ ابن خلکان کا بیان ہے کہ حجاج اس حق گوئی پر اس درجہ مسرور ہوا کہ یحییٰ بن عمر کو خراسان کا قاضی مقرر کر دیا۔

مشہور محدث امام زہری اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ انہوں نے متعدد مواقع پر خلیفہ کی اصلاح کی اور اس کو بعض مضرت رسا اقدامات سے روکا۔ امام اوزاعی شام کے امام تھے۔ ایک مرتبہ اول خلیفہ عباسی سفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے ان سے دریافت کیا ”ہم نے بنو امیہ کی جو خوریزی کی ہے اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟“ امام اوزاعی نے پہلے تو مانا چاہا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو انہوں نے صاف صاف فرمایا ”بخدا! ان لوگوں کا خون تم پر حرام تھا“ عبداللہ بن علی انتہا درجہ تند مزاج اور درشت خو تھا۔ اس جواب کو سن کر غصہ کے مارے لال پیلا ہو گیا، گردن کی رگیں پھول گئیں اور آنکھیں انگارہ بن کر باہر کو نکل آئیں، بولا ”تم نے ایسا کیونکر کہا“ امام حالی مقام نے جواب دیا ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حق بنیا ہے کسی مسلمان کا خون اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ تیس صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیش نہ آئے۔ یا تو شادی شدہ ہو کر وہ زنا کرے، یا قاتل ہو اور یا مرتد ہو جائے“ اب عبداللہ بن علی نے پوچھا ”کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے؟“ امام اوزاعی نے سوال کیا ”یہ کیونکر؟“ عبداللہ نے کہا ”کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے لیے وصیت نہیں کی تھی؟“ امام

نے فرمایا ”اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت علیؓ کسی کو اپنی طرف سے حکم نہ بناتے، اس گفتگو کے بعد امام ہمام کو توقع کیا بلکہ یقین تھا کہ ان کی گردن اُڑادی جائیگی لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ عبداللہ بن علیؓ نے اگرچہ اُس وقت بڑھ کر امام اوزاعیؒ کو دربار سے نکلوا دیا۔ مگر بعد میں ان کے پاس منایہ کی ایک قہیلی یہ طور نذرانہ ارسال کی جس کو امام نے اُسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کا حال گزر چکا ہے کہ تشدد میں سفاک سے کم نہ تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے مشہور محدث وقت عبداللہ بن طاؤسؒ کو اپنے پاس بلایا اور کسی حدیث کے سنانے کی فرمائش کی۔ امام نے اس موقع کو غنیمت جان کر ایک حدیث سنائی جس کا مضمون یہ تھا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اُس کو ہوگا جس کو خدا نے حکومت عطا فرمائی اور وہ ظالمانہ حکومت کر لے۔ خلیفہ یہ سن کر دیر تک سہنگوں رہا۔ پھر سر اٹھایا اور ایک سوال اور کیا۔ ابن طاؤس نے اُس کا جواب بھی اسی طرح دیا۔ اب خلیفہ نے تنگ آکر کہا ”آپ یہاں سے تشریف لیجائیے“ ابن طاؤس کے ساتھ امام مالک بھی تھے۔ ابن طاؤس نے جواب دیا ”یہ تو ہم چاہتے ہی تھے۔“

اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کے چہرہ پر ایک کھمی آبیٹھی۔ خلیفہ نے اُسے اُڑا دیا۔ دوبارہ آبیٹھی تو پھر اُسے اُڑا دیا۔ مگر تیسری بار پھر کھمی چہرہ پر آبیٹھی اور منصورؒ نے اُسے اُڑا دیا تو اُس وقت مشہور مفسر ابن سلیمانؒ منصورؒ کے پاس تشریف رکھتے تھے منصورؒ نے جھنجھلا کر اُن سے پوچھا ”کھمی کے پیدا کرنے میں خدا کی کیا حکمت ہے؟“ ابن سلیمان نے جواب دیا ”خدا نے اس کو مغرور لوگوں کا غرور توڑنے کے لیے پیدا کیا ہے۔“

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشیدؒ اور شترادے امام مالک کے حلقہٴ درس میں گئے اور خلیفہ نے کہا کہ حدیث کی قرأت میں کدو لگا، آپ سُنئے مگر شرط یہ ہے کہ عام سامعین کو اپنے حلقہ سے باہر کر دیجیے۔ امام مالک نے فرمایا ”اگر خواص کی خاطر عوام کو محروم کر دیا جائیگا تو پھر خواص کو بھی

کوئی فائدہ نہ ہوگا“ یہ جواب دے کر اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ حدیث کی قرأت شروع کریں۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔“

واقعات بمشمار ہیں، تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں جا بجا ان کا ذکر ہے۔ کہاں تک انہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہی علماءِ حق تھے جو موقع بموقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کر کے خلفاء و وقت کو ان کی بے اعتدالیوں اور غلطیوں پر متنبہ کرتے رہتے تھے اور اس طرح استبدادی نظامِ حکومت کے مفسد کو زیادہ وسیع ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہادی نے وفات سے پہلے جاہل کہ اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے بھائی ہارون رشید کو خلافت سے محروم کر دے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک مجلس طلب کی جس میں ہرثمہ بن اعین بھی تشریف رکھتے تھے۔ جب اصل معاملہ پیش ہوا تو سب حاضرین خلیفہ کا رجحانِ خاطر دیکھ کر خاموش تھے۔ مگر ہرثمہ بن اعین نے کہا ”اے خلیفہ تیرا یہ اقدام صحیح نہیں ہے کیونکہ تیرے باپ نے تجھے اور ہارون رشید دونوں ہی کو ولیعہد بنایا تھا۔ پھر اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تو جو اس وقت اپنے بیٹے کے لیے بیعت لے رہا ہے وہ زیادہ تو ی ثابت ہوگی نسبت اُس بیعت کے جو تیرے باپ نے ہارون کے لیے لی تھی۔ جو شخص پہلی بیعت کو توڑ سکتا ہے، وہ دوسری بیعت کو بھی توڑ سکتا ہے“ حالانکہ معاملہ بیٹے کا تھا۔ لیکن خلیفہ ہادی ہرثمہ کی حق گوئی سے بد دل نہیں ہوا، اور اُس نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم سب کا بُرا ہوں، تم نے مجھ کو دھوکہ میں رکھ کر میرے آقا (ہرثمہ) ہیں جنہوں نے میری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔“ اب خیال فرمائیے ہرثمہ نے اس دقت غیر معمولی جرأت سے کام لے کر امت کو کتنے بڑے فتنہ سے بچالیا۔

ماموں رشید اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ ماموں نے فرمان

لکھوایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے ”لیکن قاضی صاحب کی بروقت مداخلت سے امون کو یہ فرمان واپس لینا پڑا۔ اسی طرح ایک دفعہ امون پر شیعیت کا غلبہ ہوا تو اس نے نکاح متعہ کے جواز کا حکم دے دیا۔ قاضی صاحب کو اس کی خبر ہوئی دوڑے ہوئے آئے اور امون کو سمجھایا کہ قرآنی نص کے مطابق نکاح متعہ اور زنانہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ امون نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور فوراً متعہ کی حرمت کا اعلان کر دیا۔

متوکل باللہ عباسی انتہا درجہ تند مزاج اور درشت خوتھا۔ ایک مرتبہ دربار کر رہا تھا کہ ایک عالم نے (جن کا نام یاد نہیں رہا) کھڑے ہو کر کہا کہ اے خلیفہ خدا نے تجھ میں ایک ایسی صفت رکھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہیں تھی ”یہ سن کر تمام حاضرین دربار پرستنا چھا گیا اور خود خلیفہ بھی دم بخود ہو کر رہ گیا ”غضبناک ہو کر پوچھا ”یہ کیونکر؟“ عالم نے جواب دیا ”دیکھیے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آنحضرت کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے ”اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے“ لیکن اے خلیفہ تجھ میں یہ وصف ہے کہ تو تند مزاج ہے اور سخت دل بھی، مگر اس کے باوجود لوگ تیرے ارد گرد جمع ہیں۔ اور ان میں سے کوئی نہیں بھاگتا۔ بات پتہ کی تھی اور خلوص سے کہی گئی تھی خلیفہ کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔

صرف بنو امیہ اور بنو عباس کے درباروں کی ہی یہ خصوصیت نہیں ہے بلکہ جس جس ملک میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی کم و بیش ایسے علما و حق کا وجود برابر رہا ہے جو حکومت کی بے اعتدالیوں کی پردہ دری کر کے امر حق کا اعلان کرتے رہتے تھے اور ملک کو فتنوں سے بچانے کی کوشش کرتے تھے مصر کا مشہور فرماندار رکن الدین ایبیرس بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے جہاد کے لیے مسلمانوں سے مقررہ رقم کے علاوہ کچھ مزید رقم جمع کرنی چاہی

صحیح مسلم کے مشہور شارح علامہ نووی نے اس کی مخالفت کی اور سلطان سے کہا ”مجھ کو معلوم ہے تو امیر ہندقدار کا زر خرید غلام تھا اور ایک جہ کا بھی مالک نہیں تھا۔ اب اللہ نے تجھ کو سلطنت دے دی۔ ہے اور تو نے ہزاروں غلام خرید ڈالے ہیں جن کے تمام سامان طلائی ہیں۔ نیز تیرے محل میں سو کنیزیں ہیں جو زرد و جاہر سے لدی ہوئی ہیں۔ جب تک مجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ سب قیمتی چیزیں تو نے جہاد کے اخراجات کے لیے اپنے غلاموں اور باندیوں سے لے لی ہیں اس وقت تک میں غریب مسلمانوں کے مال لے لینے کا فتویٰ تیرے حق میں نہیں لکھ سکتا“ امیرس علامہ کی اس حق گوئی سے ناراض ہو گیا اور ان کو شہر بدر کر دیا۔ بعد میں اس کو اپنی غلطی پر تائب ہوا تو اس نے یہ حکم منسوخ کر کے علامہ کو پھر دمشق میں آنے اور رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر اقلیم علم کے سلطان بے دہشیم وکلاہ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا ”جب تک امیرس موجود ہے میں نہیں آؤنگا“ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہی امیرس کی وفات ہو گئی۔

عباسی خلیفہ مسٹرکفی باللہ کے عہد میں ذمی رعایا نے ایک درخواست دی کہ ذمی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بندشیں لگی ہوئی ہیں وہ اٹھالی جائیں اور اس کے عوض ہم سات لاکھ دینار سالانہ ادا کرتے رہیں گے۔ وزیر اور خلیفہ دونوں کا رجمان تھا کہ اس درخواست کو قبول کر لیں لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس میں مداخلت کر کے فرمایا ”شرعیات اسلام کے احکام کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں ہو سکتے۔“ خلیفہ کو مجبوراً امام کے فتوے کے سامنے تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے ذمیوں کی درخواست مسترد کر دی۔ سلطنت آل عثمان کا مشہور فرمانروا سلیم اول نے ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے مفتی اعظم شیخ جالی سے دریافت کیا ”ملکوں کا فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کا مسلمان بنانا“ شیخ نے کہا ”قوموں کا مسلمان بنانا“ سلطان نے یہ سن کر اعلان کر دیا کہ میری مملکت میں جو شخص مسلمان نہیں ہوگا قتل کر دیا جائیگا۔ اب مفتی اعظم کو اس اعلان کی خبر ہوئی تو فوراً سلطان کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ آپ کا یہ

حکم قرآن کے خلاف ہے، غیر مسلموں سے جزیہ لے کر اُن کو مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔ مفتی اعظم شیخ جالی کی اس تصریح کے بعد سلطان نے اپنا حکم واپس لے لیا اور مسلمان ایک عظیم گناہ سے بچ گئے۔

سلطان شجر امام غزالی کے اشاروں پر چلتا تھا۔ شہاب الدین غوری امام غزالی کے رازی کا بڑا معتقد تھا۔ حاجی الدیر نے تاریخ طغرل والہ بمطرفہ والہ میں ایک تفصیلی واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی نے غوری کے بعض عقائد غیر صحیحہ کی اصلاح کی تھی پھر صرف یہی نہیں کہ علماء حق کبھی کبھار غلام کو اُن کے اعمال و افعال پر ٹوکتے رہتے ہوں بلکہ انہوں نے مستقل کتابیں اور دساتیر لکھے تاکہ خلفاء اور سلاطین اُن پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ قاضی ابویوسف نے اہل روئے زمین کے لیے کتاب الخراج لکھی۔ اسی طرح کا ایک دستور سیاسی ابن المقفع نے لکھا تھا۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام المتوفی ۲۴۲ھ کی مشہور ضخیم کتاب ”کتاب الاموال“ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے چنانچہ اس کے پہلے باب میں ہی امام نے بادشاہ اور رعایا کے باہمی حقوق سے بحث کی ہے۔ امام مالک کا بھی ایک رسالہ مشہور ہے جو انہوں نے خلیفہ اہل روئے زمین کے نام لکھا تھا اور جس میں انہوں نے خلیفہ کو متعدد نصیحتیں کی ہیں۔

خلفاء و وزراء و امراء کی اصلاح کے علاوہ خارجی اثرات کے ماتحت ملک میں جو عقیدہ و عمل کی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں علماء حق اُن کا بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب بغداد میں فسق و فجور عام ہونے لگا تو خالد البرمکی نے اس کی روک تھام کے لیے ایک جماعت بنائی اسی طرح کی ایک جماعت سہل بن سلامۃ الانصاری نے بنا رکھی تھی۔ دونوں کا مقصد یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اُن تمام عناصر فاسدہ کا استیصال کیا جائے جو مسلمانوں میں بدعمری کے پیدا ہونے کا سبب ہو رہے ہیں۔ پھر خنابلہ نے فرق باطلہ کا مقابلہ جس اولوالعزمی اور ہمت والی

مسئلی سے کیلے ہے ارباب خبر و نظر پر پوشیدہ نہیں۔ اس راہ میں ان علماء کو قید و بند کے مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا، جیسا کہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ کبار کے ساتھ ہوا لیکن پھر بھی ان کی صدائے حق پست نہیں ہوتی تھی اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ چونکہ حکومت ہر حال اسلامی تھی اس لیے جلد یا بدیر اس آواز کا اثر ہوتا تھا اور مفاسد کی اصلاح کسی نہ کسی شکل میں ہو جاتی تھی۔ ماموں رشید طبیباً وسیع المشرب اور ضرورت سے زیادہ روادار تھا۔ مگر زادۃ کے وجود کو وہ بھی برداشت نہیں کر سکا۔ اور ہمدی نے اس گمراہ فرقہ کے ساتھ جبر و تشدد کا جو معاملہ کیا تھا وہی ماموں نے بھی اس کے ساتھ کیا۔

صوفیاء کرام کا اصلاح امت میں حصہ | علماء ربانین کے دوش بدوش صوفیاء کرام کا بھی ایک گروہ تھا جو سلطنت و حکومت کے ہنگاموں سے الگ غیر مسلموں کو مسلمان اور مسلمانوں کو پختہ تر مسلمان بنانے میں نہایت خاموشی کے ساتھ مصروف تھا۔ یہ حضرات ایک طرف روحانی ریاضتوں اور باطنی اعمال و انفال کے ذریعہ مسلمانوں کا تزکیہ نفس کرتے تھے اور دوسری جانب ملک ملک کی خاک چھان کر اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے تھے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان، افریقہ، چین اور جزائر شرق الہند، جاوا، سائر، ملایا، بورنیو، نیوگنی سلینیز اور فلپائن ان سب مقامات پر اسلام کی اشاعت بڑی حد تک صوفیاء کرام کی کوششوں کی ہی ہیں منت ہے جو محض تبلیغ اسلام کے لیے تنہا اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت لیکر یہاں آتے تھے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بناتے تھے۔ حضرت معین الدین اجمیری نے راجپوتانہ میں، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ نظام الدین اولیاء نے دہلی اور اُس کے اطراف و اکناف میں۔ شیخ علی ہجویری نے پنجاب میں اسلام کا چو چراغ روشن کیا تھا اسی کا صدقہ ہے کہ اس تہذیب ہند میں آج مسلمانوں کی تعداد نو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ شمالی افریقہ میں جو اذان کی تمکیریں سنائی دیتی ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے قائم کرنے میں

حضرت شیخ عبداللہ بن یس، محمد بن علی السنوسی اور جماعت فلاہین کی کوششوں کو دخل نہیں ہوگا۔ سائٹرا، ملایا اور جاوا میں جو توحید کی گونج ہے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ شیخ عبداللہ عارف، سید برہان الدین، شیخ عبداللہ الیمینی، مولانا ملک ابراہیم، اور شیخ نور الدین ایسے نفوس قدسیہ کی مساعی حسنہ کا اثر جمیل ہے۔

حکومت اسلامی کی عام برکات | بہر حال یہ حقیقت نظر انداز نہ ہونی چاہیے کہ یہ سب کچھ برکات اس بات کی تھیں کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت و سلطنت تھی۔ وہ خود صاحب اقتدار و اختیار تھے۔ یہ حکومت مبری بھلی خواہ کیسی ہی ہو لیکن بہر حال تھی اپنی ہی۔ بادشاہ ذاتی طور پر کیسا ہی فاسق و فاجر ہو پھر بھی وہ مسلمان ہوتا تھا اور غیر مسلم قوموں کے مقابلہ میں اس کی حمیت دینی و غیرت مذہبی کی رگ میں جوش پیدا ہو ہی جاتا تھا۔ تو اگرچہ اپنے ہاتھ میں تھی تو اس سے جہاں بعض اوقات خود اپنوں کے گلے کٹتے تھے دشمن کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا کام بھی اسی سے نکلتا تھا۔ بنو امیہ نے جس طرح اسلام کی سیاسی مرکزیت کو سنبھالا اس کا اعتراف ہر دوست اور دشمن کو ہے۔ ولید ثانی جیسے نااہل خلیفہ ہونے لگے تو خدا نے اس حکومت کو فنا کر کے بنو عباس کو صاحب تاج و تخت بنا دیا۔ اور ان سے اسلام کے قلعہ کو دشمنوں کی دستبرد سے بچانے کا کام لیا۔ سفاح سے لے کر معتمد بادشاہ تک جو خلفاء ہوئے وہ ذاتی اعمال و افعال کے لحاظ سے خواہ کیسے ہی لاابالی اور وسیع المشرب ہوں مگر پھر بھی رومیوں کی ہمسایہ طاقت اور مسلمانوں کے درمیان وہ ایک آہنی دیوار بنے کھڑے رہے۔ اور ناؤ و فوش کی مستیوں میں بھی وہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے خیال سے غافل نہیں ہوئے۔ پھر جب ان خلفاء بنی عباس میں اس کی اہلیت نہیں رہی تو خدا نے صلیبی طاقتوں کا سرکچلنے کے لیے سلطان نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی اعلیٰ اللہ مقام پیدا کر دیے۔ اس کے بعد شام اور عراق عجم میں تاتاریوں کا زور بندھا تو اس کا توڑ کرنے کے لیے ملک مظفر سیف الدین

اور رکن الدین سیرس کی تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں اور دشمنوں پر خدا کے قہر کی بجلی بن کر گریں۔
 آٹھویں صدی ہجری کے ختم پر یورپ نے اسلام کے خلاف پھر ایک مرتبہ صلیبی جنگ کا
 اعلان کیا تو سلطان بایزید ایلدرم نے اُس کو شکست فاش دے کر اسلام کا سرفخراؤ بچا کر دیا بار
 بار کی کوششوں کے باوجود مشرقی یورپ کا دروازہ (قسطنطنیہ) مسلمانوں پر اب تک نہیں کھلا تھا
 خدا نے حکم الحاکمین نے عثمانی فرمانروا سلطان محمد ثانی کے دست و بازو میں اتنی طاقت دی کہ
 اس کے ذریعہ یہ صدیوں کی شکل حل ہو گئی

مسلمان بادشاہوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان میں جو بادشاہ متقی اور پرہیزگار ہوتے
 تھے مثلاً منصور، نور الدین، صلاح الدین، غیاث الدین اور اورنگ زیب عالمگیر وغیرہم وہ تو خیر
 اسلامی شعائر و حدود کا احترام کرتے ہی تھے۔ ان کے علاوہ جو سلاطین عشرت پسند، اور لذت کو ش
 ہوتے تھے (باستثناء معددے چند) وہ بھی اسلامی احکام کا احترام ملحوظ رکھنے میں کسی سے کم نہیں
 تھے۔ اردن جواری کے بھڑکے میں بیٹھ کر داد عیش و طرب دیتا تھا مگر ساتھ ہی ہر شب میں سوکتیں
 پڑھتا تھا۔ جہاگیر خود دھڑکے کی کاکل بیچاں کا اسیر تھا مگر مملکت میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اس نابکار کو
 منہ لگا سکے۔ عدالتوں کے فیصلے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہوتے تھے مسجدیں آباد تھیں جگہ
 جگہ اسلامی مدارس و مکاتب تھے جن میں اسلامی طریقہ پر بچوں کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی علماء اور
 مشائخ، طینان سے دین کی خدمت کا کام کرتے تھے، سوسائٹی میں منہیات و محرمات کا چرچا عام
 نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمان آزادی کی فضا میں سانس لیتے تھے، کسی غیر کے غلام نہیں تھے۔ یہاں
 تک کہ انہیں شاید اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ مسلمان کبھی غیر مسلم حکومت کا حکوم ہو کر رہ سکتا ہے یہی
 وجہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ہر قسم کے معاملات کے ابواب ملتے ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی مستقل
 باب نہیں ملتا کہ مسلمان بدست سے اگر کسی غیر قوم کے محکوم ہو جائیں تو کس طرح زندگی بسر کریں۔ علاوہ

اڑیں اس پر بھی غور کیجیے کہ قرامطہ اور باطنیہ ایسے عظیم فتنے اسلام میں پیدا ہوئے۔ ان کا استیصال کس نے کیا؟ اس میں شبہ نہیں کہ علماء کرام نے تحریر اور تقریر سے ان کا مقابلہ کیا لیکن اگر اسلامی حکومتیں ان کی پشت پناہ نہ ہوتیں تو کیا یہ فتنے مٹ سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے جو ملکی فتوحات حاصل کیں ان سے ان کی نیت خواہ کچھ ہی ہو بہر حال ان فتوحات کے چند نتائج لازمی طور پر ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ مذہب اسلام کی موثر طریقہ پر اشاعت ہوئی، عربی زبان کو فروغ ہوا اور اسلامی تہذیب و معاشرت عالمگیر ہو گئی۔ بہر حال یہ سب کچھ اس بنا پر تھا کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت تھی۔ اس حکومت کے تحت پر کبھی کبھی حاکم باہر اللہ اور جلال الدین اکبر ایسے گمراہ بادشاہ قبضہ کر لیتے تھے تو دوسری جانب سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، سلطان غیاث الدین بلبن، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جہم اللہ ایسے عادل، پاک نفس اور مجاہد فی سبیل اللہ سلاطین بھی اسی تخت پر شکن ہوتے تھے۔ جو اپنے غم و حوصلہ سے ملک و قوم کی بگڑھی ہوئی تقدیر کو پلٹ کر رکھ دیتے تھے۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کی یہ جوبلی صلی مختصر داستان آپ نے سنی ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جب تک مسلمان اسلام کے قوانین فطری پر عمل پیرا رہے، وہ برابر ترقی کرتے رہے لیکن جب ان میں اسلامی روح منقطع ہونے لگی تو ان میں تنزل بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس تنزل کی رفتار دفعی نہیں بلکہ تدریجی تھی۔ ہر گناہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے جو جلد یا بدیر اس پر مرتب ہوتی ہے ایک حکومت کا عظیم ترین گناہ یہ ہے کہ اس کے بادشاہ میں استبداد ہو۔ رعایا کی پروا ذرا نہ کرتا ہو۔ ملک کی آمدنی کو اپنے عیش و آرام پر خرچ کرنا اپنا حق سمجھتا ہو اور اپنی ذاتی منفعت کو ملک کے عام مفاد پر بہر حال ترجیح دیتا ہو۔ جب کسی حکومت سے یہ گناہ سرزد ہوتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم تو اس کو اس گناہ میں جتنا جتنا انہماک بڑھتا جاتا ہے اسی قدر وہ اپنی موت سے قریب تر آتی

جاتی ہے۔ ایک بادشاہ ذاتی تعیش و آرام کی حد تک اگر نفع و فخر میں مبتلا رہتا ہے، مگر ساتھ ہی وہ نظام مملکت سے غافل نہیں ہے اور رعایا کے معاملات میں عدل و انصاف کا سررشتہ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، قدرت ایسے بادشاہ سے درگزر کر سکتی ہے اور تاریخ میں اس کی متعدد نظیریں موجود بھی ہیں، لیکن ایک ظالم و جاہل اور خود غرض و مطلب پرست حکومت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ہماری تاریخ ہمارے اچھے اور بُرے اعمال کی آئینہ دار ہے۔ مجھ کو اس کا اعتراف ہے کہ گزشتہ اوراق میں میں نے مسلمان حکومتوں پر تنقید کرنے میں احتیاط کے باوجود کسی قدر زیادہ صاف بیانی سے کام لیا ہے لیکن اُس کا مقصد دوسروں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دینا نہیں ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ خدائے ارحم الراحمین تو ظالم ہے نہیں۔ اس بنا پر آج ہمارے اوپر جو ادبار مسلط ہے وہ یقیناً ہمارے گزشتہ اعمال کا ثمرہ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اُن تمام بد عملیوں کا جائزہ لیں جو ہم نے تاریخ کے عہد ماضی میں کی ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان حکومت کا گناہ تنہا اُس حکومت کا نہیں بلکہ پوری قوم کا گناہ ہے۔ اور اپنی ان بد عملیوں کا جائزہ لینے کے بعد بارگاہ ایزدی میں صدق دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے عہد صمیم کریں کہ ہم پھر ان گناہوں کا ارتکاب نہ کریں گے۔ ہمیں چاہیے کہ اس عہد و پیمان کے ساتھ اپنے تنزل کی ویرانیوں کو عروج و اقبال کی آبادیوں میں تبدیل کر دینے کے لیے سرفروشانہ طور پر اُٹھیں۔

راہِ عمل ہمارے لیے متعین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَنْ يَصْلَحَ إِخْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا اسْمُتَ كَاتُوا أَهْلِينَ طَرِيقُونَ مِنْ صِلَاحِ يَابِ صَلَاحُ يَابِ وَادُّهَا (او کا قال) ہو گا جن سے اس اُمت کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔